

سیرت اور مستشرق ولیم میور

اساتذہ برائے سیکنڈ سمسٹر ایم فل علوم اسلامیہ



مشرف

ڈاکٹر غلام شمس الرحمن صاحب
بہاء الدین زکریا یونیورسٹی ملتان
شعبہ علوم اسلامیہ

اعداد

محمد محسن

رول نمبر 25

بہاء الدین زکریا یونیورسٹی ملتان

سیشن 2015-2017

سیرت اور مستشرق ولیم میور

بسم اللہ الرحمن الرحیم

یہ بات کسی صاحب بصیرت پر مخفی نہیں ہے کہ مستشرقین نے مذہب اسلام کے حوالہ سے قرآن، حدیث، فقہ، سیرت، تاریخ اور تصوف کو اپنا موضوع بنا کر ان کے متعلق کتب تالیف کیں، اور اپنے اہداف کو حاصل کرنے کے لئے ان پر کئی اعتراض بھی وارد کئے، جو درحقیقت ان کی اپنی سوچ کا شاخسانہ ہیں، انہوں نے سارا زور قلم اپنے مفروضات کو ثابت کرنے پر ہی لگا دیا جو علم و تحقیق کی دنیا میں مثبت قدم نہیں ہے۔

بہر حال علماء اور ارباب دانش نے اپنا فرض ادا کرتے ہوئے ان اعتراضات کے چہرے سے نقاب کشائی کی، ان کی حقیقت کو واضح کیا، اور جو علمی و تحقیقی سقم تھے ان کو آشکارا کیا۔

انہی مستشرقین میں سے ایک مستشرق ”ولیم میور“ ہے جس نے چار جلدوں میں ”لائف آف محمد“ اسی طرح دیگر کتب لکھیں، جن میں اسلام اور پیغمبر اسلام کے متعلق کئی اعتراض کئے۔

اس اسائنمنٹ میں سیرت کے حوالہ سے ولیم میور کے اعتراضات کا جائزہ لینا مقصود ہے۔ لیکن اس سے پہلے استشرق کا مفہوم اور ولیم میور کا مختصر تعارف بھی پیش کیا جائے گا۔ چنانچہ اسائنمنٹ کی ترتیب اس طرح ہوگی:

- 1- استشرق کا مفہوم۔
- 2- ولیم میور کا مختصر تعارف۔
- 3- ولیم میور کے سیرت طیبہ پر اعتراضات کا جائزہ۔

1- استشرق کا مفہوم

استشرق کی کئی تعریفات کی گئی ہیں جن کا حاصل یہ ہے کہ:

”مغربی اہل کتاب، مسیحی مغرب کی، اسلامی مشرق پر نسلی اور ثقافتی برتری کے زعم کی بنیاد پر مسلمانوں پر اہل مغرب کا تسلط قائم کرنے اور مسلمانوں کو اسلام کے بارے میں گمراہی اور شک میں مبتلا کرنے اور اسلام کو مسخ شدہ صورت میں پیش کرنے کی غرض سے مسلمانوں کے عقیدہ، ثقافت، شریعت، تاریخ، نظام، اور وسائل و امکانات کا جو مطالعہ غیر جانبدارانہ تحقیق کے دعویٰ کے ساتھ کرتے ہیں اسے استشرق کہا جاتا ہے“⁽¹⁾

(1) ڈاکٹر احمد عبد الحمید غراب، رویۃ اسلامیۃ للاستشرق ص 9، دارالاصالة للثقافة والنشر والاعلام الریاض، 1988ء بحوالہ تحریک استشرق اور اس کے اہداف و مقاصد، حافظ محمد سمیع اللہ فراز، محمد فیروز الدین شاہ کھگہ، ماہنامہ الشریعہ گوجرانوالا، اکتوبر 2004ء

2- ولیم میور کا مختصر تعارف

پیدائش

ولیم میور ایک اسکاتش مستشرق ہے جو 1819ء میں پیدا ہوا۔

تعلیم

گلاسکو اور ایڈنبرا کی یونیورسٹیوں سے تعلیم حاصل کی۔

ملازمت

1837ء کو بنگال سول سروس کو جوائن کیا، اور شمالی مغربی صوبوں کے گورنر کے سیکرٹری کے طور پر اپنی سروس کا آغاز کیا۔

1865ء میں انڈین گورنمنٹ کا سیکرٹری خارجہ مقرر ہوا۔

1868ء میں اسے شمال مغربی صوبوں کا لیفٹیننٹ گورنر بنادیا گیا۔

1884ء میں شاہی ایشیائی سوسائٹی (Royal Asiatic Society) کا صدر بنا۔

1885ء میں ایڈنبرا یونیورسٹی کا پرنسپل منتخب ہوا۔

1903ء میں ریٹائر ہوا۔

تالیفات

1- The Life of Mohammad یہ کتاب چار جلدوں میں مشتمل ہے۔

2- Mahomet and Islam

3- The Rise and Decline of Islam

4- The Caliphate: Its Rise, Decline and Fall

وفات

یہیں پر 1905ء میں اس کی وفات ہوئی۔ (1)

3- ولیم میور کے سیرت طیبہ پر اعتراضات کا جائزہ

اس اسائنمنٹ میں ولیم میور کے درج ذیل امور کے متعلق اعتراضات کا جائزہ پیش کیا جائے گا:

1- پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی متعدد شادیاں

2- حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نسل اسماعیل سے ہونا

(1) ڈاکٹر حافظ محمد زبیر، اسلام اور مستشرقین ص 124، مکتبہ رحمۃ للعالمین، اکتوبر 2014ء

- 3- خاندان بنو ہاشم کا مقام
4- حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مرگی کا مریض قرار دینا
5- غزوات کو ڈاکے قرار دینا

1- پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی متعدد شادیاں

مستشرقین اس بات پر بہت واویلا کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کے لئے جو بیویوں کی تعداد مقرر کی تھی، خود اس پر کار بند نہیں رہے اور حسب منشا جتنی عورتوں سے چاہا شادی کر لی۔ قرآن مجید کو وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذہنی اختراع قرار دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ آپ نے اپنی اس خواہش پرستی کو جواز مہیا کرنے کے لئے وحی کا سہارا لیا اور یہ دعویٰ کیا کہ آپ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے خصوصی اجازت ملی ہے۔

ولیم میور لکھتا ہے:

اب محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی عمر ساٹھ سال کے قریب تھی، لیکن جنس مخالف کی طرف میلان کی کمزوری میں عمر بڑھنے کے ساتھ ساتھ اضافہ ہو رہا تھا، آپ کے بڑھتے ہوئے حرم کی کشش آپ کو اپنی وسیع حدود سے تجاوز سے روکنے کے لئے کافی نہ تھی۔ (1)

جائزہ

دوسرے مذاہب کی محترم ہستیوں کی تعداد از دواج

جن مستشرقین نے یہ اعتراض کیا ہے انہوں نے حضور علیہ السلام کی پوری زندگی کے پس منظر کو پر غور نہیں کیا، صرف اسی ایک بات کو دیکھ کر فوراً اعتراض کر دیا، اور نہ انہوں نے یہ سوچا کہ تاریخ میں اور شخصیات بھی ایسی ہیں جن کا وہ انتہائی احترام کرتے ہیں اور ان کی شادیاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی زیادہ تھیں، دنیا کے تمام مذاہب میں تعداد از دواج کا رواج تھا، ان مذاہب کی نظروں میں محترم ہستیاں خود اس پر کار بند تھیں، اور اس کی وجہ سے ان کے تقدس میں کوئی فرق نہیں آتا تھا۔ مثلاً ہندومت میں ان کے اکابرین کی کئی کئی بیویاں تھیں:

سری رام چندر رجبی کے والد مہاراجہ دسرت کی تین بیویاں تھیں۔

سری کرشن جی کی، جو اوتاروں میں شمار ہوتے ہیں سینکڑوں بیویاں تھیں۔

پانڈوؤں کے جدا علی راجہ پانڈو کی دو بیویاں تھیں۔

راجہ شنتن کی دو بیویاں تھیں۔
بچھتر ایرج کی دو بیویاں اور ایک لونڈی تھی۔ (2)

(1) محمد اینڈ اسلام صفحہ 126

(2) رحمۃ اللعالمین 2:127

الہامی کتب کے حوالے

اور یہود و نصاریٰ کی الہامی کتابیں خود اس بات کی وضاحت کرتی ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تین بیویاں، حضرت یعقوب علیہ السلام کی چار بیویاں اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بھی چار بیویاں تھیں۔ (1)

حضرت سلیمان علیہ السلام کے متعلق بائبل میں ہے:

And he came to have seven hundred wives princesses, and three hundred concubines

اور حضرت سلیمان علیہ السلام کی سات سو بیویاں اور تین سو لونڈیاں تھیں (2)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ پر نظر

مستشرقین کو چاہئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شادیوں پر غور کرنے سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کے مندرجہ ذیل پہلوؤں کو ضرور مد نظر رکھیں:

- 1- حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پچیس سال کی عمر تک کوئی شادی نہیں کی۔
- 2- آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مردانہ حسن اور خاندانی وجاہت کی وجہ سے ان عورتوں کی کمی نہ تھی جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رشتہ ازدواج میں منسلک ہونا چاہتی تھیں۔
- 3- آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنسی اباحت کے ماحول میں اپنا عفوان شبابِ مجرد کی حالت میں گزارا، لیکن کسی کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دامنِ عفت پر کوئی دھبہ نظر نہ آیا۔
- 4- آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلی شادی پچیس سال کی عمر میں کی جبکہ جو خاتون آپ کی زوجیت میں آئیں ان کی عمر چالیس سال تھی جو آپ سے عمر میں پندرہ سال بڑی تھیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں آنے سے قبل وہ دو خاوندوں کی زوجیت میں رہ چکی تھیں۔
- 5- آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی عمر کا پچیس سال کا عرصہ اسی واحد خاتون کے ساتھ گزارا جس کے ساتھ آپ سب سے پہلے رشتہ ازدواج میں منسلک ہوئے۔
- 6- پہلی بیوی کے انتقال کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس خاتون کے ساتھ شادی کی وہ بیوہ اور معمر خاتون تھیں۔
- 7- ایک زوجہ محترمہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے سوا تمام ازواجِ مطہرات میں سے کوئی بھی باکرہ نہ تھی، حالانکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے امتیوں کو باکرہ عورتوں سے نکاح کرنے کی ترغیب دیتے تھے۔

(1) رحمۃ اللعالمین 128، 129:2

(2) سلاطین اول باب 11 آیت 3

8- حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے متعدد خواتین کو اپنے نکاح میں لینے کے باوجود فرمایا:

”مالی فی النساء من حاجة“

”مجھے عورتوں کی کوئی حاجت نہیں“ (1)

خلاصہ

جو شخص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویوں کی تعداد گن کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کردار کے متعلق کوئی فیصلہ کرتا ہے اسے مندرجہ بالا حقائق کو مد نظر رکھنا ضروری ہے تاکہ اسے غیر جانبدار محقق اور انصاف پسند کہا جاسکے۔

جیسا کہ حقائق سے معلوم ہے کہ جو شخص پچیس سال تک مجرد اور پچیس سال سے پچاس سال کی عمر تک ایک معمر خاتون کی رفاقت میں یہ طویل عرصہ گزارتا ہے، اس طویل عرصہ میں کوئی جذبہ نہ تو اسے کسی غلط کام کی طرف متوجہ کر سکا اور نہ ہی وہ مزید خواتین سے نکاح کا خیال وہ اپنے دل میں لایا، کیا یہ بات ممکن ہے کہ جب اس شخص کی عمر پچیس سال ہو جائے تو یکا یک اس کے جنسی جذبات طوفان کی مانند اُٹھ آئیں اور عورتوں کی کوئی تعداد اسے مطمئن نہ کر سکے۔

حضور علیہ السلام کی شادیوں کے مقاصد

اس بحث کے بعد اب اس پر غور کرنا ہوگا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے متعدد خواتین سے شادی کن مقاصد کے تحت کی اور اس میں کیا حکمت تھی۔ چنانچہ اس میں تین قسم کے مقاصد پیش نظر تھے:

(i) تعلیمی مقاصد

(ii) تشریعی مقاصد

(iii) سماجی مقاصد

(iv) سیاسی مقاصد

(i) تعلیمی مقاصد

حضور صلی اللہ علیہ وسلم عورتوں کے مسائل کے متعلق جو تعلیمات لے کر مبعوث ہوئے تھے ان تعلیمات کو امت کی عورتوں تک پہنچانے، عورتوں کو مسائل سمجھانے اور ان پر عمل کر کے دکھانے کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو انتہائی پاک باز، ذہین و فطین اور دیانتدار خواتین کی ضرورت تھی، جو مخلص کارکنوں کی حیثیت سے کام کر سکیں، جو گھریلو زندگی کی تفصیلات کو محفوظ کر کے امانت و دیانت کے ساتھ امت کی عورتوں تک پہنچائیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی لئے بیوہ خواتین کو اپنی زوجیت میں لیا جو ذہانت و فطانت اور دیانتداری میں اپنی مثال آپ تھیں۔

(ii) تشریحی مقاصد

زمانہ جاہلیت کی بہت سی رسمیں ایسی تھیں جو لوگوں کی زندگیوں میں یوں رچ بس گئی تھیں، کہ کسی انسان کے لئے ان رسموں کی مخالفت کا تصور کرنا بھی مشکل تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس طرح خدا کی زمین کو بتوں سے پاک کیا اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرائض میں ایسی رسمیں جو انسانوں کے لئے ناسورتھیں ان کو ختم کرنا بھی تھا، جن میں ایک رسم غیر کے بیٹے کو اپنا بیٹا بنانے کی بھی تھی۔ ایک شخص کسی اجنبی کے بیٹے کو کہہ دیتا ”تو میرا بیٹا ہے“ اس قول کی وجہ سے وہ اس کا بیٹا قرار پاتا اور نسب، میراث، طلاق، شادی اور مصاہرت کے تمام مسائل میں اس کی حیثیت حقیقی بیٹے جیسی سمجھی جاتی۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حضرت زینب بنت جحش سے شادی اسی رسم کی تردید کے لئے ہوئی کہ منہ بولا بیٹا حقیقی بیٹا نہیں ہوتا، لہذا اس کی مطلقہ سے شادی کرنا درست ہے، حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا حضرت زید کی مطلقہ تھیں جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے منہ بولے بیٹے تھے: سورۃ الاحزاب میں اس کا تذکرہ موجود ہے:

فَلَمَّا قَضَىٰ زَيْدٌ مِنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنَاكَهَا لِكَيْ لَا يَكُونَ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ حَرَجٌ فِي
أَزْوَاجِ أَدْعِيَائِهِمْ إِذَا قَضَوْا مِنْهُنَّ وَطَرًا (1)

”پھر جب زید نے اپنی بیوی سے تعلق ختم کر لیا تو ہم نے اس سے تمہارا نکاح کر دیا تاکہ مسلمانوں سے اپنے منہ بولے بیٹوں کی بیویوں (سے نکاح کرنے) میں اس وقت کوئی تنگی نہ رہے جب انہوں نے اپنی بیویوں سے تعلق ختم کر لیا ہو، اور اللہ نے جو حکم دیا تھا اس پر عمل تو ہو کر رہنا ہی تھا“۔ (2)

(iii) سماجی مقاصد

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جب شرک کی ظلمتوں میں نعرہ توحید بلند کیا تو اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کو قبول کرنا موت کو دعوت دینے کے مترادف تھا، لیکن ایسے حالات میں بھی جن لوگوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس دعوت کو قبول کیا اور قربانیاں دیں وہ تاریخ جاشاری کا ایک سنہری باب ہے ان نفوس قدسیہ میں حضرت ابو بکر صدیق، حضرت عمر فاروق، حضرت عثمان غنی، حضرت علی، حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہم جیسی مقدس ہستیوں کے نام آتے ہیں۔

اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو بکر صدیق کی بیٹی حضرت عائشہ، حضرت عمر فاروق کی بیٹی حضرت حفصہ رضی اللہ عنہم سے نکاح فرمایا، اور یکے بعد دیگرے اپنی دو بیٹوں کے حضرت عثمان سے نکاح فرمائے، اور حضرت فاطمہ کا حضرت علی رضی اللہ عنہم سے نکاح فرمایا۔

(iv) سیاسی مقاصد

اسلامی نظام زندگی قائم کرنے کے لئے جاہلانہ نظام زندگی کو اختیار کرنے والوں سے جنگ بھی ناگزیر تھی۔ ان حالات میں دوسری تدابیر کے ساتھ ساتھ آپ کے لیے یہ بھی ضروری تھا کہ مختلف قبائل میں نکاح کر کے دیرینہ عداوتوں کو ختم کریں اور نئی دوستیوں کو مستحکم کر سکیں۔ چنانچہ جن خواتین سے آپ نے نکاح کئے ان کے انتخاب میں یہ مصلحت کم و بیش نمایاں تھی۔ مثلاً

(i) حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا

(ii) حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا

(iii) حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا

(i) حضرت اُم حبیبہ رضی اللہ عنہا

جب حضرت ام حبیبہ رملہ بنت ابی سفیان رضی اللہ عنہما آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجیت میں آ گئیں تو حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کی اسلام دشمنی کا زور ٹوٹ گیا اور وہ بہت جلد اسلام کے جھنڈے تلے اپنی جان کی بازی لگانے کے لئے تیار کھڑے نظر آئے۔

(ii) حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا

غزوہ بنو مطلق میں اس قبیلہ کو شکست ہوئی اور بہت سے لوگ قیدی بن گئے، ان میں بنو مطلق کے سردار کی بیٹی حضرت جویریہ بنت حارث بھی تھیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب یہ معلوم ہوا کہ وہ سردار کی بیٹی ہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے سامنے یہ پیش کش کی کہ اگر انہیں منظور ہو تو حضور ان کا فدیہ ادا کر کے ان سے نکاح کر لیں، حضرت جویریہ نے اس پیش کش کو قبول کر لیا۔

نکاح کے بعد بنو مطلق کے تمام قیدیوں کو رہا کر دیا گیا کہ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سسرالی رشتہ دار ہیں۔

(iii) حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا

غزوہ خیبر میں جب حضرت صفیہ بنت جحش بنی نضیر قیدی ہو کر آئیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے سامنے دو صورتیں رکھیں۔

1- وہ اسلام قبول کر لیں، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم انہیں آزاد کر کے اپنی زوجیت کا شرف بخشیں۔

2- اگر وہ یہودیت پر قائم رہنا چاہیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم انہیں آزاد کر دیں اور وہ اپنی قوم کے پاس واپس چلی جائیں انہوں نے اسلام قبول کر کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجیت میں آنا پسند کیا۔

حضرت صفیہ، اور حضرت جویریہ رضی اللہ عنہما یہودی خاندان سے تھیں۔ انہیں آزاد کر کے جب حضور علیہ السلام نے ان سے نکاح کئے تو یہودیوں کی تخریبی سرگرمیاں سرد پڑ گئیں۔

2- حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نسل اسماعیل سے ہونا

اس کے متعلق ولیم میور نے لائف آف محمد کے مقدمہ میں درج ذیل خیالات کا اظہار کیا ہے:

”یہ خواہش کہ مذہب اسلام کے پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلم) کو حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد سے خیال کیا جائے اور غالباً یہ کہ وہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی نسل میں سے ثابت کئے جائیں، آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی زندگی میں پیدا ہوئی..... اور اس کے لئے آپ کے ابراہیمی نسب نامے کے ابتدائی سلسلے گھڑے گئے اور حضرت اسماعیل علیہ السلام اور بنی اسرائیل کے بیشتر قصے نصف یہودی اور نصف عربی سانچے میں ڈھالے گئے۔“

ولیم میور یہ تاثر دینے کی کوشش کر رہا ہے کہ عربوں کی روایت میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور قبیلہ قریش کا نسل ابراہیم واسماعیل سے ہونا مشہور نہ تھا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں نسبی وجاہت اور خاندانی عظمت کی آرزو پیدا ہوئی اور آپ نے اپنے سلسلہ نسب کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ جوڑنے کی تدبیریں کیں۔ اس مقصد کے لئے ایسے قصے گھڑے گئے جن سے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت ابراہیم علیہ السلام سے نسبی تعلق ثابت ہو سکے۔

گویا عربوں کا ابراہیم واسماعیل علیہما السلام سے نہ کوئی تعلق تھا اور نہ انہیں اس تعلق کا علم تھا، یہ تعلق تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خواہش کی پیداوار ہے۔

جائزہ

ولیم میور کا یہ مفروضہ بے بنیاد ہے، حقیقت یہ ہے کہ عرب اپنے آپ کو حضرت ابراہیم واسماعیل علیہما السلام کی اولاد سمجھتے تھے، انہیں ان عظیم ہستیوں کی اولاد ہونے پر فخر بھی تھا، انہیں یہ بھی معلوم تھا کہ خانہ کعبہ کو انہی نفوس قدسیہ نے تعمیر کیا تھا، اور جس دین پر وہ کار بند تھے ان کے خیال میں وہ دین ابراہیم ہی تھا اور بزعم خویش وہ یہی سمجھتے تھے کہ وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی پیروی کر رہے ہیں۔

عرب روایات اور حضرت خلیل واسماعیل علیہما السلام

عربی روایات میں حضرت ابراہیم واسماعیل علیہما السلام کا ذکر نہ ہونے کا دعویٰ وہی شخص کر سکتا ہے جو یا تو عربوں کی تاریخ سے کلیتہً نا آشنا ہو اور یا پھر حسد، بغض، اور تنگ نظری کی وجہ سے دن کورات کہنے پر مصر ہو۔

عرب جو مذہبی زندگی گزار رہے تھے، اس کا مرکز وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ہی سمجھتے تھے، خانہ کعبہ کا احترام وہ اسی وجہ سے کرتے تھے کہ وہ ان کے آباء کا تعمیر کردہ خانہ خدا تھا۔ حج کی عبادت وہ اس لئے کرتے تھے کہ اس عبادت کو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے متعارف کرایا تھا، خانہ کعبہ کا طواف، صفا اور مروہ کے درمیان سعی، منیٰ اور عرفات کی رسومات وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی پیروی ہی میں ادا کرتے تھے۔

وہ اپنے مردوں کو غسل بھی دیتے تھے، کفن بھی پہناتے تھے، اور قبروں میں دفن بھی کرتے تھے اور یہ سمجھتے تھے کہ وہ یہ سب کام دین ابراہیمی کی پیروی میں کر رہے ہیں۔ حرمت والے مہینوں کی تعظیم اور سرزمین حرم کا احترام بھی وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی پیروی میں کرتے تھے۔ اور غالباً صرف یہی وہ چیزیں تھیں جن پر جزیرہ عرب کے مکینوں کی اکثریت متفق تھی۔ ان کی تمام دینی اور مذہبی رسومات دین ابراہیمی کے نام پر تھیں۔

ولیم میور کو ان حقائق کا بخوبی علم ہے لیکن ان حقائق کو تسلیم کرنا اس کے لئے مشکل اس وجہ سے ہے کہ وہ اسلام اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر قسم کی عظمتوں سے معری ثابت کرنا چاہتا ہے۔ اور حضرت ابراہیم علیہ السلام جو اس کے اپنے بھی جد امجد ہیں ان کے ساتھ پیغمبر اسلام کی نسبت اس کو گوارا نہیں۔ اس لئے وہ کبھی جھوٹ اور کبھی فریب کے سہارے تاریخ کی ان روشن حقیقتوں کے گرد شکوک و شبہات کے جال تاجا ہوتا ہے۔

لیکن اس قسم کی حقیقتیں کسی کے چھپانے سے نہیں چھپتیں اور بدخواہوں کی انتھک کوششوں کے باوجود پوری آب و تاب کے ساتھ صفحہ ہستی پر جلوہ گر رہتی ہیں۔ (1)

حضور ﷺ کے نسل اسماعیل سے ہونے پر مستشرقین کی شہادت

1- انسائیکلو پیڈیا آف رلچن اینڈ اتھکس

انسائیکلو پیڈیا آف رلچن اینڈ اتھکس (Encyclopaedia of religion and ethics) کا مقالہ نگار

"Chronicle of sebeos" کے حوالہ سے لکھتا ہے:

"He was an Ishmaelite, who taught his country men to return to the religion of Abraham and claim the promises made to

the descendants of Ishmael." (2)

”حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ایک اسماعیلی تھے جنہوں نے اپنے ہم وطن لوگوں کو یہ تعلیم دی

کہ وہ دین ابراہیمی کی طرف رجوع کریں اور ان خدائی وعدوں سے بہرہ یاب ہوں جو نسل اسماعیل علیہ السلام کے ساتھ کئے گئے ہیں۔“

2- مستشرق گبن

جن مستشرقین نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سلسلہ نسب کو مشکوک بنانے کی کوشش کی ہے مستشرق گبن (Gibbon)

(1) پیر محمد کرم شاہ الازہری، ضیاء النبی، ضیاء القرآن پبلی کیشنز گنج بخش روڈ لاہور: 7

(2) انسائیکلو پیڈیا آف رلچن اینڈ اتھکس 8:872، بحوالہ ضیاء النبی 7:180

ان پر شدید الفاظ میں تنقید کرتا ہے اور کہتا ہے:

"The base and plebeian origin of Muhammad is an unskilful calumny of the christians who exalt instead of degrading the merit of their adversary."⁽¹⁾

”محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی اصل کو حقیر اور عامیانه ثابت کرنے کی کوشش عیسائیوں کی ایک غیر دانشمندانہ تہمت ہے جس سے ان کے مخالف کا مقام بجائے گھٹنے کے مزید بڑھا ہے۔“
گبن کی اس عبارت کے بعد سر سید احمد خان نے ”سیرت محمدی“ کے صفحہ 246 پر اور محمد احسان الحق سلیمانی نے ”رسول مبین“ کے صفحہ نمبر 107 پر یہ الفاظ بھی لکھے ہیں:
”آپ کا حضرت اسماعیل علیہ السلام کی نسل سے ہونا ایک تسلیم شدہ امر ہے اور عرب کی روایات سے ثابت ہے۔“

-3 تھیوفینز

اور کتاب کے جس نسخہ میں یہ الفاظ نہیں ہیں اس میں فٹ نوٹ میں گبن کہتا ہے:

"Theophanes the most ancient of the Greeks confesses that Muhammad was of the race of Ismael."

”تھیوفینز“ جو پرانے زمانے کے یونانیوں میں سے ہے وہ تسلیم کرتا ہے کہ حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نسل اسماعیل میں سے تھے۔

-4 گینیگنر

گبن اپنی کتاب کے فٹ نوٹ میں یہ بھی لکھتا ہے کہ:
”ابوالفداء اور گینیگنر (Gagnier) نے اپنی اپنی کتابوں میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا وہ نسب نامہ درج کیا ہے جو مستند ہے۔“

یہ وہی نسب نامے ہیں جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نسل اسماعیل سے ثابت کرتے ہیں۔

(1) ایڈ ورڈ گبن ”دی ڈیکلارین اینڈ فال آف رومن امپائر“ 5:228 (ڈینٹ اینڈ سنزلندن-1962ء) بحوالہ ضیاء

-5 فاسٹر

مستر فاسٹر نے بھی اس حقیقت کی گواہی دی ہے، وہ لکھتا ہے:

”خاص عرب کے لوگوں کی یہ قدیمی روایت ہے کہ قیدار اور اس کی اولاد ابتدا میں حجاز میں آباد ہوئی تھی۔ چنانچہ قوم قریش اور خصوصاً مکہ کے بادشاہ اور کعبہ کے متولی ہمیشہ اس بزرگ کی نسل میں ہونے کا دعویٰ کرتے تھے، اور خاص حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اسی بنیاد پر کہ اسماعیل کی نسل اور قیدار کی اولاد ہیں اپنی قوم کی دینی اور دنیوی عظمتوں کے استحقاق کی تائید کی ہے۔“ (1)

خلاصہ

مندرجہ بالا حقائق سے یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ ولیم میور نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اسماعیلی انسل ہونے کی حقیقت کو مشکوک کرنے کی جو کوشش کی ہے وہ نہ صرف یہ کہ عربی روایتوں کے خلاف ہے بلکہ خود مغربی مؤرخین اور مستشرقین کی تحقیقات کے بھی خلاف ہے۔

مستشرقین ہزار کوششیں کریں وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کو جھٹلا نہیں سکتے:

حضرت واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں:

”قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَى مِنْ وَلَدِ إِبْرَاهِيمَ، إِسْمَاعِيلَ، وَاصْطَفَى مِنْ وَلَدِ إِسْمَاعِيلَ بَنِي كِنَانَةَ، وَاصْطَفَى مِنْ بَنِي كِنَانَةَ قُرَيْشًا، وَاصْطَفَى مِنْ قُرَيْشٍ بَنِي هَاشِمٍ، وَاصْطَفَانِي مِنْ بَنِي هَاشِمٍ“ (2)

”حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”اللہ تعالیٰ نے اولاد ابراہیم سے اسماعیل کو چنا، اولاد اسماعیل سے کنانہ کو چنا، بنو کنانہ سے قریش کو چنا، قریش سے بنو ہاشم کو چنا، اور بنو ہاشم سے مجھے چنا۔“

-3 خاندان بنو ہاشم کا مقام

ولیم میور اپنی کتاب ”محمد اینڈ اسلام“ میں لکھتا ہے:

"The bereavement told the more, because the sons of Abd al

Muttaalib, unable to maintain his dignity, had to relinquish

(1) سرسید احمد خان، سیرت محمدی صفحہ 246 (مقبول اکیڈمی لاہور۔ 1988ء)، بحوالہ ضیاء النبی صفحہ 182

(2) ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ الترمذی، سنن الترمذی حدیث نمبر 3605

some of the offices of state which had been held by him, an descend to a lower condition of life".⁽¹⁾

”اس صدمے نے آپ پر اور بھی سخت اثر ڈالا کیونکہ عبدالمطلب کے بیٹے اپنے باپ کے وقار کو برقرار نہ رکھ سکے تھے اور انہوں نے بعض ان عہدوں سے دست برداری اختیار کر لی تھی جن پر ان کے والد فائز تھے۔ اس طرح وہ نسبتاً پست معیار زندگی پر قانع ہو گئے تھے۔“

جائزہ

ولیم میور نے یہ نہیں بتایا کہ حضرت عبدالمطلب کے بیٹے کن کن عہدوں سے دستبردار ہوئے تھے اور نہ اس نے یہ بتایا ہے کہ اس نے یہ بات کس حوالے سے لکھی ہے۔

ولیم میور کو یہ بات لکھنے سے پہلے یہ سوچ لینا چاہئے تھا کہ قریش کے جن قبائل نے حجر اسود کو اپنے مقام پر رکھنے کی سعادت حاصل کرنے کے لئے تلواریں نکال لی تھیں، ان میں سے کسی قبیلے کے لئے یہ کیسے ممکن تھا کہ وہ اس اعزاز سے رضا کارانہ طور پر دست بردار ہو جاتا جو اسے آباؤ اجداد سے ورثے میں ملا تھا۔ اگر بنو ہاشم نے اس قسم کی کمزوری کا مظاہرہ کیا ہوتا تو مکہ میں سراٹھا کر چلنا ان کے لئے ممکن ہی نہ رہتا۔

بنو ہاشم کے معزز مقام پر گبن کی شہادت

مغرب کا مستند اور مشہور مؤرخ ”گبن“ لکھتا ہے:

"His descent from Ismael was a national privilege or fable, but if the first steps of the pedigree are dark and doubtful, he could produce many generations of pure and genuine nobility, he sprung from the tribe of koreish and the family of Hashism, the most illustrious of the Arabs, the princes of Mecca, and the hereditary guardians of the Caaba. The grandfather of Mohammad was Abdol mottaleb, the son of Hashem, a wealthy and generous citizen, who relieved the distress of famina with the supplies of commerce. Mecca which had been fed by the liberality of the father, was saved

by the courage of the son".⁽¹⁾

”آپ کا اسماعیلی النسل ہونا قوی اعزاز تھا یا افسانہ، لیکن اگر ان کے نسب نامے کی ابتدائی کڑیاں تاریک اور مشکوک ہوں تو بھی وہ اپنے نسب نامے کی کئی نسلوں میں ایسے عظیم لوگ پیش کر سکتے ہیں جو حقیقی معنوں میں شریف اور عظیم تھے۔ انہوں نے قریش کے قبیلے اور ہاشم کے خاندان میں جنم لیا تھا جو معزز ترین عرب تھے، مکہ کے بادشاہ تھے اور خانہ کعبہ کے موروثی پاسبان تھے۔

محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے دادا عبدالمطلب تھے جو ہاشم کے بیٹے تھے، وہ ہاشم جو مالدار اور سخی شہری تھے، انہوں نے قحط کی سختیوں کو اپنے مال تجارت کے ذریعے کم کیا تھا۔

مکہ جسے باپ کی کشادہ دلی نے (حالت قحط میں) کھانا کھلایا تھا، اس مکہ کو اسی باپ کے بیٹے کی بہادری نے بچایا تھا۔“

کیا کوئی ذی ہوش شخص ولیم میور کے ان مفروضوں کو تسلیم کر سکتا ہے کہ وہ بنو ہاشم جو عربوں کے لئے مایہ ناز بھی تھے، مکہ کے سردار بھی تھے، اور خانہ کعبہ کے خادم بھی تھے، وہ حضرت عبدالمطلب تک تو اس حیثیت پر برقرار رہے اور آپ کے اس دنیا سے رخصت ہوتے ہی بنو ہاشم کی عظمتوں کا محل زمین بوس ہو گیا اور بنو ہاشم کے مقام میں یہ انقلاب اس وقت آیا جب حضرت عبدالمطلب کے دس سے زیادہ بیٹے زندہ تھے جن میں ابوطالب، حمزہ، عباس اور زبیر جیسی ہستیاں موجود تھیں۔

اگر قبیلہ بنو ہاشم اتنا ہی کمزور ہوتا جتنا مستشرقین کو نظر آتا ہے اور دیگر قبائل قریش اتنا ہی طاقتور ہوتے جتنا طاقتور مستشرقین انہیں دکھانا چاہتے ہیں تو وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ وہی سلوک کرتے جو سلوک وہ مسلمانوں کے ساتھ کرتے تھے۔

اہل عرب کے ہاں فخر کا موقع

جو چیزیں عربوں کے نزدیک قابل فخر تھیں ان میں بنو ہاشم کسی سے کم نہ تھے، ان کے ہاں بنک بیلنس مایہ افتخار نہ تھا بلکہ ان کے ہاں عظیم وہ تھا جو دوسروں کی نسبت زیادہ سخاوت کا مظاہرہ کرتا تھا۔ ان کے وقار کا امتحان ان کی جرأت اور بہادری سے ہوتا تھا۔

1- مستشرقین ابو جہل کو قریش کے طاقتور اور مضبوط ترین قبیلے کا سردار مانتے ہیں لیکن انہیں معلوم ہے کہ ایک مرتبہ جب ابو جہل نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کی تھی اور آپ کے چچا حمزہ کو جو ابھی حلقہ بگوش اسلام نہیں ہوئے تھے ابو جہل کی اس جسارت کا علم ہوا تھا تو انہوں نے سب کے سامنے ابو جہل کی مرمت کی تھی اور مکہ کے امیر ترین، بہت ہی طاقتور اور بہت ہی با اثر لوگوں میں سے کسی کو جرأت نہیں ہوئی تھی کہ وہ حمزہ کے ہاتھ کو روک سکے۔

2- عربوں کا دستور تھا کہ وہ اپنی بہادری، جرأت اور عظمت کا فیصلہ میدان جنگ میں کرتے تھے۔ وہ جنگ کا بازار گرم ہونے سے پہلے مبارزت طلبی کرتے تھے اور اپنے مقابلے میں اسی کو آنے کی اجازت دیتے تھے جسے وہ اپنا ہم پلہ سمجھتے تھے۔ جنگ بدر میں بھی عام لڑائی سے پہلے یہ انفرادی معرکہ آرائی ہوئی تھی جس کی تفصیل خود ولیم میور نے ان الفاظ میں لکھی ہے:

"Sheyba and Otba two leaders of the Coreish, and welid son of Otba, still smarting under the taunts of Abu Jahl, advanced into the open field and defied three champions from the medina force to meet them singly. Many upstarted at the call, but Mahomet checked them, and turning to his kinsmen said: "Ye sons of hashim! arise and fight, according to your right." Obeida, Hamza, and Aly, the uncle and cousins of Mahomet, stepped forth. Their features being concealed by their helmets, Otba asked their names. "Speak", he said "and if ye be our equals we shall fight with you." Hamza answered, with a play on his name" :I am the lion of God and of his prophet; I am the son of Abdal mottalib." "Worthy foe," replied Otba; "but who are these?" Hamza gave their names. "Meet foes every one", replied Otba. and then they arose to fight'.⁽¹⁾

”شیبہ اور عتبہ دو قریشی سردار اور ولید بن عتبہ جو ابھی تک ابو جہل کے طعنوں کی ٹیسیں محسوس کر رہے تھے، وہ میدان میں آئے اور لشکر مدینہ سے تین مبارز طلب کئے۔ کئی لوگ آگے بڑھے لیکن محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) انہیں روک دیا اور اپنے اہل خاندان کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا: ”بنو ہاشم! اٹھو اور مقابلہ کرو کیونکہ یہ تمہارا ہی حق ہے۔“

عبیدہ، حمزہ اور علی ایک محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے چچا اور دو چچیرے بھائی آگے بڑھے، ان کے چہرے خودوں میں چھپے ہوئے تھے، اس لئے عتبہ نے ان سے ان کے نام پوچھے، اس نے کہا تم بولو، اگر تم

ہمارے مقابلے کے ہوئے تو ہم تم سے لڑیں گے۔

حمزہ نے رزمیہ انداز میں اپنا نام بتایا میں خدا اور خدا کے رسول کا شیر ہوں، میں عبدالمطلب کا فرزند ہوں۔ عتبہ نے جواب دیا تم واقعی ہمارے مد مقابل آنے کے قابل ہو، لیکن یہ تمہارے ساتھ کون ہیں؟ حمزہ نے ان کے نام بتائے، عتبہ نے کہا اٹھو اور اپنے اپنے غنیم کا مقابلہ کرو، اس طرح وہ مقابلے کے لئے آگے بڑھے۔

یہ واقعہ بتاتا ہے کہ شیبہ وغیرہ ان ہاشمیوں کو اپنا ہم پلہ سمجھتے تھے۔

3- قریش مکہ نے ہجرت کے وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شمع حیات کو گل کرنے کے لئے تمام قبائل سے ایک ایک جوان اس لئے چنا تھا کیونکہ انہیں معلوم تھا کہ ان میں سے کسی ایک قبیلے میں یہ جرأت نہ تھی کہ وہ یہ حرکت کرے اور پھر انتقام میں کھولتے ہوئے ہاشمی خون کا مقابلہ کر سکے۔

4- ابوطالب کے پاس قریش کے وفود جاتے تھے اور آپ سے کہتے تھے کہ آپ اپنے بھتیجے کو ہمارے خداؤں کی توہین سے باز رکھیں یا راستے سے ہٹ جائیں، لیکن جب ابوطالب نے انہیں دو ٹوک الفاظ میں بتا دیا کہ وہ ہر قیمت پر اپنے بھتیجے کا دفاع کریں گے تو کسی مائی کے لعل میں یہ جرأت نہ تھی کہ ان کی زندگی میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر دست درازی کر سکے۔

4- حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مرگی کا مریض قرار دینا

1- ولیم میور نے اپنی کتاب حیات محمد میں شق صدر کے واقعہ کو مرگی کا دورہ قرار دیا ہے۔ (1)

نیز ولیم میور نے اپنی کتاب لائف آف محمد کے صفحہ نمبر 21 کے حاشیہ پر (شق صدر والی روایت میں) اصیب کے بجائے لفظ امیب لکھا ہے یعنی صا دی جگہ میم لکھا ہے، اور اس کے معنی "Fit" یعنی عارضہ ہونے کے لکھے ہیں۔ (2)

ولیم میور نے مرگی کا مفروضہ ثابت کرنے کے لئے امیب کے لفظ کا اختراع کیا اور اپنی من مانی سے اس کا ترجمہ کیا۔

2- ایک روایت میں ہے کہ:

”حضرت حلیمہ سعدیہ نے دیکھا کہ بادل حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر سایہ کئے ہوئے ہیں، وہ اس

صورت حال سے خوفزدہ ہوئیں۔“

ولیم میور نے اس روایت سے یہ نتیجہ اخذ کیا:

”اگر اس روایت میں کچھ صدق ہو تو غالباً عارضہ سابق کے یعنی صرع کے آثار کے عود سے مراد ہوگی۔“ (3)

(1) ضیاء النبی 7:249

(2) ضیاء النبی 7:252

(3) سیرت محمدی صفحہ 232

3- ولیم میور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بچپن کے حیران کن واقعات کے بارے میں تو یقین رکھتے ہیں کہ وہ مرگی کے دورے تھے، پھر ان دوروں کا تعلق نزول وحی کے ساتھ جوڑتے ہوئے رقمطراز ہیں:

”ان دوروں کو جن کو حلیمہ صرع کی قسم کے حملے سمجھ کر ڈر گئی تھی، محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے مزاج میں ان مضطرب حالتوں اور بیہوش کنندہ غشوں کے صریح آثار نمودار تھے، جو نزول وحی کے ہوتے تھے، اور شاید جن کے سبب ان کے دل میں نزول وحی کا خیال پیدا ہو گیا تھا۔ اور ان کے تبعین نے ان اضطرابوں اور غشوں کو نزول وحی کا شاہد قرار دیا تھا۔“ (1)

4- ولیم میور ایک اور مقام پر لکھتا ہے:

"There were periods at which the excitement took the shape of a trance or vision. Of these we know but little. Some christian writers have connected them with the symptoms noticed in his childhood. Such swoons or reveries are said sometimes to have preceded "The descent of inspiration,

"even in later life." (2)

”کچھ مواقع ایسے آتے جب بے قراری و جدیا کشف کی شکل اختیار کر لیتی۔ ہم ان کی تفصیلات سے بہت کم آگاہ ہیں۔ بعض عیسائی مصنفین نے ان کیفیات کو مرگی کے دورے قرار دیا ہے اور ان کا تعلق ان علامات سے جوڑا ہے جو آپ کے بچپن میں نظر آتی تھیں۔ کہا جاتا ہے کہ آپ کی زندگی کے آخری حصے میں بھی نزول وحی سے پہلے آپ پر اس قسم کی غشی اور بیداری کے سنے کی کیفیت طاری ہوتی تھی۔

5- نیز ولیم میور نے لکھا ہے:

"At the moment of inspiration anxiety pressed upon the prophet, and his countenance became troubled. Sweat dropped from his forehead, and he would fall to the ground

as in a trance". (3)

(1) سیرت محمدی ص 232

(2) محمد اینڈ اسلام صفحہ 22

(3) محمد اینڈ اسلام صفحہ 24

6- نزول وحی کے وقت چہرے کے آثار میں تبدیلی اور پیشانی سے پسینے کے قطرے ٹپکنے کا ذکر احادیث طیبہ میں موجود ہے۔ ولیم میور نے اس پر یہ اضافہ کیا ہے کہ:

”حضور صلی اللہ علیہ وسلم حالت وحی میں اس طرح زمین پر گر پڑتے تھے جس طرح کوئی شخص حالت وجد میں زمین پر گر پڑتا ہے۔“

اس نے یہ تاثر دینے کی کوشش کی ہے کہ زمین پر گر جانے والی بات بھی حدیث کا حصہ ہے، لیکن اس نے خود ابتدائی سیرت نگاروں کے حوالہ سے نزول وحی کی تفصیلات کا جو طویل اقتباس دیا ہے یہ الفاظ اس اقتباس کا حصہ نہیں۔ (1)

جائزہ

ولیم میور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نعوذ باللہ مرگی کا مریض قرار دیتا ہے اور قرآن مجید کی وحی کو مرگی کے دوروں کا اثر قرار دیتا ہے۔

مستشرقین نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کے جن واقعات اور کیفیات کی تعبیر مرگی کے مرض سے کی ہے، کوئی زندہ ضمیر اور عقل سلیم رکھنے والا انسان ان واقعات و کیفیات کو مرگی کے دورے قرار نہیں دے سکتا۔

مرگی کوئی ایسا مرض نہیں ہے جو پوشیدہ رہے، مصروع شخص جہاں بیٹھا ہو دیکھنے والے فوراً پہچان لیتے ہیں کہ یہ شخص مرگی کا مریض ہے۔ کسی غیر متعصب انسان کی عقل یہ تسلیم نہیں کر سکتی کہ کوئی مرگی زدہ شخص تریسٹھ سال زندہ رہا ہو، اس نے عمل اور ہنگاموں سے بھرپور زندگی گزاری ہو، اس کے ارد گرد انسانوں کا ہجوم رہا ہو، اور کسی دیکھنے والے کو یہ محسوس نہ ہوا ہو کہ یہ شخص مرگی کا مریض ہے۔

اس کے برعکس وہ اسے خدا کا رسول سمجھیں، وہ مرگی کے اثر سے جو کچھ کہے اسے کلام خداوندی قرار دیں، اور اس کے اشارہ ابرو پر جانیں نچھاور کرنے کے لئے بے قرار رہیں۔

اور جو حقیقت ایسے شخص کے لاکھوں ہم عصروں کی نظروں سے پوشیدہ رہی ہو اسے کئی صدیاں بعد یورپ کے محققین اپنی غیر جانبدارانہ معروضی تحقیق کے بل بوتے پر تلاش کر لیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت نے نسل انسانی کے افکار، اعمال، عادات اور کردار میں جو انقلاب برپا کیا ہے اس کی تفصیلات بھی سامنے ہیں، جن باتوں کو مستشرقین مرگی کے دوروں کے دوران حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان پر جاری ہونے والی باتیں قرار دیتے ہیں، ان کا ایک ایک لفظ، ایک ایک حرف بلکہ ایک ایک حرکت محفوظ ہے۔

ایک غیر جانبدار آدمی کے لئے یہ کام بالکل آسان ہے کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سیاسی، معاشی، اخلاقی، روحانی، آئینی اور تنظیمی کارناموں کو پیش نظر رکھے اور پھر اپنے دماغ، دل اور ضمیر سے یہ سوال کرے کہ کیا یہ کارنامے سرانجام دینے والا

شخص مرگی کا مریض ہو سکتا ہے؟ (1)

خود مستشرقین کی طرف سے مرگی کے الزام کی تردید

حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر مرگی کے دوروں کا الزام اتنا لغو ہے اور آپ کی حیات طیبہ کے محیر العقول کارناموں کے تناظر میں اتنا ناقابل یقین ہے کہ خود متعدد مستشرقین نے زور شور سے اس الزام کی تردید کی ہے۔

منگمری واٹ

منگمری واٹ اسلام اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف اعتراضات اور الزام تراشیوں کے بہانے تلاش کرتا ہے، لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر لگائے جانے والے مرگی کے الزام کی وہ بھی پر زور الفاظ میں تردید کرتا ہے۔ وہ لکھتا ہے:

"On some occasions at least there were physical accompaniments. He would be gripped by a feeling of pain, and in his ear's there would be a noise like the reverberation of a bell. Even on a very cold day the bystanders would see great pearls of sweat on his forehead as the revelation descended upon him. Such accounts led some western critics to suggest that he had epilepsy, but there are no real grounds for such a view. Epilepsy leads to physical and mental degeneration, and there are no signs of that in Muhammad; on the contrary he was clearly in full possession of his faculties to the very end of his life." (2)

” (نزل وحی کے وقت) کبھی کبھی کچھ جسمانی عوارض بھی پیش آتے تھے۔ آپ کو شدید درد کا احساس ہوتا، کانوں میں گھنٹی کی گونج کی سی آواز سنائی دیتی۔ جب وحی کا نزول ہوتا تو پاس کھڑے ہوئے لوگ شدید سردی کے عالم میں بھی آپ کے چہرے پر پسینے کے موتی دیکھتے۔

اس قسم کی چیزوں سے بعض مغربی نقادوں نے یہ نتیجہ نکالا کہ آپ مرگی کے مریض تھے۔ لیکن اس خیال کی کوئی حقیقی بنیاد نہیں ہے۔ مرگی انسان کو ذہنی اور جسمانی طور پر کمزور کر دیتی ہے، لیکن محمد (صلی اللہ علیہ

(1) ضیاء النبی 264-263:7

(2) محمد پرافٹ اینڈ سٹیسمین صفحہ 19

وسلم) میں اس قسم کے کوئی آثار نظر نہیں آتے۔ اس کے برعکس آخر تک آپ کے تمام ذہنی اور جسمانی قوی واضح طور پر صحیح اور سلامت تھے۔

ولیم میور

ولیم میور حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر مرگی کا مریض ہونے کا الزام لگانے والوں میں پیش پیش ہے، لیکن وہ بھی یہ تسلیم کرتا ہے کہ آپ ساری زندگی صحت مندر ہے۔ وہ خود لکھتا ہے:

"Halima weaned the infant, and brought him back to Amina.

Delighted with his healthy look, she said, take the child with

thee back again, for much do I fear for him the unwholesome

air of Mecca." (1)

”حلیمہ نے بچے کا دودھ چھڑایا اور اسے واپس آمنہ کے پاس لے گئی۔ بچے کو صحت مند دیکھ کر وہ بہت خوش ہوئیں، اور حلیمہ سے کہا: تم بچے کو واپس اپنے ساتھ لے جاؤ کیونکہ مجھے خطرہ ہے کہ مکہ کی غیر صحت بخش فضا میں بچے کی صحت پر اثر نہ پڑے۔“

ولیم میور ایک اور مقام پر لکھتا ہے:

"He never but once had suffered from any serious illness." (2)

”حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سوائے ایک بار کے اپنی زندگی میں کبھی کسی سخت بیماری میں مبتلا نہیں ہوئے۔“

ولیم میور کی گفتگو سمجھ سے بالاتر ہے، ادھر کہتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بچپن سے آخر تک صحت مندر ہے، پھر یہ بھی کہتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم میں بچپن سے ہی مرگی کے آثار تھے، اور تینیس سال کے عرصہ پر محیط نزول وحی کی کیفیات کو بھی وہ مرگی کے دورے قرار دیتا ہے۔

مستشرقین اپنے مفروضات کو ثابت کرنے کے لئے اس جیسی کھلی تضاد بیانی سے بھی گریز نہیں کرتے۔

جان ڈیوٹ پورٹ

جان ڈیوٹ پورٹ نے اپنی کتاب اپالوجی فار محمد اینڈ دی قرآن میں لکھا ہے:

”یہ متواتر بیان کی محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو عارضہ صرع لاحق تھا، یونانیوں کی ایک ذلیل اختراع

ہے جنہوں نے اس عارضہ کے حقوق کو ایک نئے مذہب کے بانی کی طرف اس غرض سے منسوب کیا ہوگا کہ ان کے اخلاقی چال چلن پر ایک دھبہ ہو جو عیسائیوں کی طعنہ زنی اور تنقیر کا مستوجب ہو۔“ (1)

اے ڈر منگھم

اے ڈر منگھم نے بڑے پر زور الفاظ میں مستشرقین کی طرف سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر لگائے جانے والے اس الزام کی تردید کی ہے۔ وہ لکھتا ہے:

”محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اس اعتبار سے دنیا کے واحد پیغمبر ہیں جن کی زندگی ایک کھلی کتاب کی طرح ہے۔ ان کی زندگی کا کوئی گوشہ چھپا ہوا نہیں بلکہ منور اور روشن ہے۔

عقل سلیم سے عاری انسان ہی محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر کسی بھی ذہنی بیماری کا الزام عائد کر سکتا ہے۔..... کوئی معترض اور نقاد بھی محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی زندگی کا ایک ایسا واقعہ بیان نہیں کر سکتا جب کسی مرض یا تکلیف کی وجہ سے آپ کسی میدان جنگ یا زمانہ امن میں کسی بیمارے کے دورے کے زیر اثر آئے ہوں۔ کوئی ایسا واقعہ ان کی زندگی میں نہیں ملتا جس سے ان کی جسمانی یا ذہنی صحت کے علیل ہونے کا سراغ ملتا ہو۔ ان کی جسمانی اور ذہنی صحت قابل رشک تھی۔

آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اپنی زندگی میں چالیس فوجی مہمیں روانہ کیں، جن میں سے ایک (مخاط) اندازے کے مطابق تیس جنگوں میں آپ نے خود حصہ لیا۔ ہر جنگ میں جس فراست، جس شجاعت، جنگی حکمت عملی اور مہارت کا ثبوت آپ نے فراہم کیا کیا وہ کسی ایسے شخص کے لئے ممکن ہو سکتا ہے جو کسی بھی نوع کی بیماری میں مبتلا ہو؟

محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی پاک، صحت مند، اور توانا شخصیت کو بیمار کہنے والے درحقیقت خود ذہنی بیماری میں مبتلا ہیں۔ آنکھیں رکھنے والے ایسے لوگ ہیں جو سب کچھ دیکھتے ہوئے بھی نہیں دیکھتے، جان بوجھ کر اندھے بن جاتے ہیں۔“ (2)

5- غزوات کو ڈاکے قرار دینا

جنگ بدر کے موقع پر کفار مکہ ایک ہزار کا لشکر لے کر میدان میں اترے تھے اور ان کے مقابلے میں مسلمانوں کی تعداد تین سو سے کچھ ہی زیادہ تھی۔ یہ وقت مسلمانوں کے لئے زندگی اور موت کا تھا لیکن اس موقع کے متعلق ولیم میور لکھتا ہے کہ مسلمان کافروں کے خلاف اس لئے لڑے کہ وہ یہ سمجھتے تھے کہ اس لشکر کو شکست دینے کے بعد وہ قریش کے تجارتی قافلے کو لوٹ سکیں گے

(1) رسول مبین صفحہ 605

(2) رسول مبین صفحہ 626-627 بحوالہ ای ڈر منگھم، حیات محمد

وہ لکھتا ہے:

"The Moslems were chagrined at the prospect of a rich and easy prey turned into that of a bloody battle. They still, indeed, seem to have hoped that a victory would enable them to pursue and seize the Caravan."⁽¹⁾

”مسلمان اس بات پر بہت پریشان ہوئے کہ ایک آسان اور قیمتی شکار کے امکانات ایک خون ریز جنگ میں بدل گئے تھے۔ لیکن یوں محسوس ہوتا ہے کہ انہیں اب بھی یہ امید تھی کہ وہ لشکر کو شکست دے کر کاروان کو لوٹنے میں کامیاب ہو جائیں گے۔“

جائزہ

اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو جنگ کی اجازت دینے کے بعد آزمائشیں چھوڑ دیا کہ تم جس طرح چاہو اپنی آتش انتقام کو ٹھنڈا کرو اور خدا کی زمین پر تباہی و بربادی کے علمبردار بن جاؤ، بلکہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو جنگ کی اجازت دینے کے بعد ان کے لئے جنگ کے ایسے اصول مقرر فرمائے کہ اصولوں کی وجہ سے اسلامی جہاد ان جنگوں سے ممتاز ہو جاتا ہے جو تاریخ انسانی کے مختلف ادوار میں انسانوں نے توسیع پسندی اور دیگر قوموں کے استیصال کے لئے دوسروں پر مسلط کی تھیں، اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو حکم دیا:

1- وَقَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ الَّذِينَ يُقَاتِلُونَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوا إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ⁽²⁾
 ”اور لڑو اللہ کی راہ میں ان سے جو تم سے لڑتے ہیں اور (ان پر بھی) زیادتی نہ کرنا، بے شک اللہ تعالیٰ دوست نہیں رکھتا زیادتی کرنے والوں کو۔“

ایک دوسری آیت کریمہ میں ارشاد فرمایا:

2- وَقَاتِلُوهُمْ حَتَّى لَا تَكُونَ فِتْنَةً وَيَكُونَ الدِّينُ لِلَّهِ فَإِنْ انتَهَوْا فَلَا عُدْوَانَ إِلَّا عَلَى الظَّالِمِينَ⁽³⁾

”اور لڑتے رہو ان سے یہاں تک کہ نہ رہے فتنہ (فساد) اور ہو جائے دین صرف اللہ کے لئے۔“

پھر اگر وہ باز آجائیں تو (سمجھ لو) کہ سختی (کسی پر) جائز نہیں مگر ظالموں پر۔“

(1) محمد اینڈ اسلام صفحہ 87

(2) البقرہ: 190

(3) البقرہ: 193

جنگ کے اصولوں کی مزید تشریح کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

3- فَمَنْ اَعْتَدَىٰ عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوا عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اَعْتَدَىٰ عَلَيْكُمْ وَاتَّقُوا اللَّهَ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ مَعَ الْمُتَّقِينَ (1)

”تو جو تم پر زیادتی کرے تم اس پر زیادتی کر لو (لیکن) اس قدر جتنی زیادتی اس نے تم پر کی ہو اور ڈرتے رہا کرو اللہ سے۔ اور جان لو یقیناً اللہ (کی نصرت) پر ہیزگاروں کے ساتھ ہے۔“

اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو جہاں دشمنان دین کے خلاف جہاد کی تیاریوں اور عملاً جہاد کرنے کا حکم دیا ہے وہاں ساتھ ہی یہ بھی ارشاد فرمایا ہے:

4- وَإِنْ جَنَحُوا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا وَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ (2)

”اور اگر کفار مائل ہوں صلح کی طرف تو آپ بھی مائل ہو جائیے اس کی طرف اور بھروسہ کیجئے اللہ

تعالیٰ پر۔ بے شک وہی سب کچھ سننے والا جاننے والا ہے۔

مندرجہ بالا آیات کریمہ میں جہاد اسلامی کے اصول و ضوابط کو تفصیل کے ساتھ بیان کر دیا گیا ہے۔ قرآن حکیم کے حکم جہاد کو سمجھنے کے لئے مندرجہ ذیل تین چیزوں پر خصوصی طور پر غور کرنا ضروری ہے:

1- جنگ کس مقصد کے لئے ہو؟

2- جنگ کس کے خلاف لڑی جائے؟

3- جنگ میں کن کن شرائط اور قیود کی پابندی ضروری ہے؟

مندرجہ بالا آیات کریمہ وضاحت سے بتا رہی ہیں کہ اسلامی جنگیں نہ آتش انتقام کو ٹھنڈا کرنے کے لئے لڑی جاتی ہیں، نہ کسی قوم کی نسلی برتری ثابت کرنے کے لئے، اور نہ صنعتی اور تجارتی مفادات کی خاطر بلکہ یہ جنگیں صرف حق کی سر بلندی کی خاطر لڑی جاتی ہیں۔ یہ جنگیں ان لوگوں کے خلاف لڑی جاتی ہیں جو تمہارے خلاف جنگ کرتے ہیں اور ان شرائط کے ساتھ کہ کسی پر زیادتی مت کرو۔ (3)

خلاصہ یہ کہ غزوات و سرائیا کا مقصود اصلی اعلائے کلمۃ اللہ تھا نہ کہ مادی نفع حاصل کرنا۔

نیز ان مہموں (غزوات و سرائیا) کے ذریعہ کفار مکہ کو یہ احساس دلایا گیا کہ مسلمانوں کے خلاف چپقلش کی صورت میں ان کی اپنی تجارت محفوظ نہیں رہ سکے گی۔ ان مہموں کے ذریعہ قریش مکہ اور دیگر قبائل کو یہ احساس دلانا بھی مقصود تھا کہ مسلمانوں کو

(1) البقرہ: 194

(2) الانفال: 61

(3) ضیاء النبی 72-71-70: 570-7

کمزور سمجھنا ایک بہت بڑی غلطی ہوگی اور اس کے نتائج انتہائی سنگین ہوں گے۔ (1)

حاصل بحث

ولیم میور کے سیرت طیبہ اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی پر اعتراضات بے بنیاد اور بے حقیقت ہیں، جن کی تردید خود اس کے قلم سے بھی صادر ہوئی اور دوسرے مستشرقین نے بھی ان اعتراضات کو غلط اور معترضین کو ذہنی بیمار بتلایا، جیسا کہ پہلے تفصیل سے گزر چکا ہے۔